محمد حنیف ندوی

اسلام میں نکاح کی حیثیت

علماء کا اس میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ نکاح و تاہل کی زندگی کا ٹھیک ٹھیک مقام کیا ہے۔ بعض اس کے فضائل اور خوبیوں کے اس درجہ قائل ہیں کہ ان کے نزدیک یہ عبادت الٰہی کی غرض سے یکسو ہو جانے اور مجرد رہنے سے بھی بہتر ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ اس کی فضیلت مسلّم مگر یہ خلوت و یکسوئی کی برکات سے بہتر ہرگز نہیں۔ ایک گروہ کا فیصلہ یہ ہے کہ نکاح سے ترک نکاح اولیٰ ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ آج کے حالات آں حضرتؐ کے زمانہ کے حالات سے قطعی مختلف ہیں۔ اس زمانے میں جب کہ رزق اور معاش کے ذرائع میں باطل غذا کی آمیزش بالکل نہیں تھی۔ اور عورتوں کی اخلاقی حالت بھی کہیں بہتر تھی، نکاح سے محروم رہنا، اجر و ثواب کی بہت بڑی مقدار سے محروم رہنے کے مترادف تھا۔ مگر آج جب کہ اکل حلال کی راہیں مسدود ہیں، اور جب کہ عورتوں کی مذہبی اور اخلاقی حالت بھی حد درجہ پست اور خراب ہے، نکاح کو افضل ٹھہرانا درست نہیں۔ ان آراءِ مختلفہ میں صحیح رائے کونسی ہے؟ اور کون راہ حق و صواب کی راہ ہے؟ اس کو جاننے سے پہلے قرآن و سنّت اور آثار میں جو اس کے متعلقات ہیں ان پر غور کر لینا چاہیے اور یہ دیکھ لینا چاہیے کہ اس سنّت میں فوائد و برکات کا حصّہ کتنا ہے۔ اور اس سے کیا کیا نقصان، کیا کیا فوائد اور مفاسد وابستہ ہیں۔ اور پھر آخر میں اس بات کا جائزہ لینا ہو گا کہ کس شخص کے لیے ان فوائد اور مفاسد سے بچ نکلنا آسان، اور کس کے لیے مشکل ہے کیونکہ انھی نکات کی وضاحت پر نکاح کا افضل یا غیر افضل ہونا موقوف ہے۔

اس کے بارہ میں آیاتِ قرآنی پر نظر ڈالیے:

وَانکحوا الایامیٰ منکم (نور-۳۲) — اور اپنی قوم کی بیوہ عورتوں سے نکاح کر دیا کرو۔

اس میں یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ نکاح کو بصیغۂ امر ادا کیا ہے۔

فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن (بقرہ - ۲۳۲)
دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ جائز طور پر راضی ہو جائیں نکاح کرنے سے مت روکو۔

انبیاء و رسل کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

ولقد ارسلنا رسلاً من قبلک وجعلنا لھم ازواجاً وذریۃ (رعد ۳۸)
اور ہم نے تم سے پہلے بھی پیغمبر بھیجے تھے اور ان کو بیبیاں اور اولاد بھی دی تھی۔

اللہ کے وہ بندے جو ازدواجی زندگی کے رشتوں میں منسلک ہیں ان کی دعاؤں کا انداز کیا ہوتا ہے؟ اس کو یوں بیان فرمایا ہے:

والذین یقولون ربنا ھب لنا من ازواجنا وذریتنا قرۃ اعین (فرقان ۷۴)
اور وہ خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیبیوں کی طرف سے دل کا چین اور اولاد کی طرف سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی ملحوظ رکھنے کی ہے کہ جتنے بھی پیغمبر اس دنیا میں مبعوث ہوئے ہیں وہ سب کے سب متاہل تھے، حضرت یحییٰ نے بھی شادی کی تھی اگرچہ وظیفۂ جنسی ادا نہیں کیا تھا۔ اور حضرت مسیح کے بارے میں احادیث میں آتا ہے کہ جب وہ دوبارہ آئیں گے تو اس پابندی کو قبول فرمائیں گے۔ اور یہ پابندی ان کے لیے باعثِ برکت بھی ثابت ہو گی، یعنی صاحبِ اولاد ہوں گے۔ احادیث یہ ہیں:

النکاح سنتی فمن رغب عن سنتی فقد رغب عنی۔ النکاح سنتی، فمن احب فطرتی فلیستنن بسنتی۔
نکاح میری سنت ہے اس لیے یاد رہے جس نے اس سے روگردانی اختیار کی اس نے گویا مجھ سے روگردانی اختیار کی۔ نکاح میری سنت ہے سو جس کو میری یہ فطرت پسند ہے اس کو میری اس سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

مسند ابو یعلیٰ   مسند فردوس

من ترك التزويج مخافة العيلة فليس منّا۔	جو نکاح افلاس کے اندیشے کے پیش نظر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ کا قول ہے:

لا یمنع من النکاح الا عجز او فجور۔	نکاح سے دو ہی آدمی باز رہ سکتے ہیں۔ ایک جس کو اس پر قدرت نہ ہو۔ اور ایک جو بد معاش ہو۔

ابن عباس کہا کرتے تھے:

لا یتم نسك حتی یتزوج	عابد اور زاہد کا زہد اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ شادی نہ کرے۔

ان کا مقصد غالباً یہ ہے کہ جب تک کسی شخص کی شادی نہ ہو۔ اس کا دل خیالات و شہوات کی اذیتوں سے بچ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے غلاموں کے بارے میں بھی ان کا یہی معمول رہا کہ جہاں وہ بالغ ہوئے ان کو رشتۂ ازدواج میں منسلک کر دیا۔ چنانچہ عکرمہ و کریب کا نکاح ان کے مجبور کرنے سے طے پایا۔

عبداللہ بن مسعود نکاح کو صرف ایک ضرورت ہی تصور نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ان کا یہ خیال تھا کہ یہ ایک دینی خدمت بھی ہے۔ اس کی تائید میں ان کا یہ قول ملاحظہ ہو:

لو لم یبق من عمری الا عشرة ایام لاحببت ان اتزوج لکیلا القی اللہ عزبا	اگر میری زندگی کے دس ہی دن باقی ہوں تب بھی میں شادی کرنا پسند کروں گا تاکہ اللہ سے اس حال میں ملاقات نہ ہو کہ میرے کوئی بیوی نہ ہو۔

معاذ بن جبل کی دو بیویاں تھیں۔ اتفاق سے طاعون کا مرض پھیلا اور ان دونوں کا انتقال ہو گیا۔ وہ خود بھی بیماری کی وجہ سے صاحب فراش ہوئے۔ اور قریب تھا کہ داعیِ اجل کو لبیک کہیں۔ عین ان لمحوں میں ان کی یہ آرزو تھی:

زوجونی انی اکرہ ان القی اللہ عزبا۔	میرے نکاح کا اہتمام کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ سے مجرد یا رنڈوے کی حیثیت سے ملنا نہیں چاہتا۔

اس تمنا میں بھی یہی مذہبی روح کارفرما تھی کہ ہر حالت میں ازدواجی زندگی سے دوچار رہنا ضروری ہے۔ سفیان بن عیینہ کہا کرتے تھے کہ:

کثرۃ النساء ولیت من الدنیا لان علیا رضی اللہ عنہ کان ازھد اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ وکان لہ اربع نسوۃ۔ وسبع عشرۃ سریۃ	عورتوں کی کثرت دنیا کے مقسوم میں شامل نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؓ کی جو صحابۂ رسولؐ میں زہد و اتقاء کے درجہ قصویٰ پر فائز تھے چار تو بیویاں تھیں اور سترہ لونڈیاں۔

ان کے علاوہ اولیاء و صلحاء کی ایک اچھی خاصی جماعت کا یہ خیال تھا کہ تجرد سے تاہل کی زندگی افضل ہے۔ چنانچہ جب کسی نے ایک مرتبہ ابراہیم ادہم کو ان کے تجرد پر مبارک باد دی اور کہا کہ آپ کو تو خوب خوب تجرد و انزوا کی لذتوں سے بہرہ مندی کے مواقع حاصل ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا:

لروعۃ منک لسبب العیال افضل من جمیع ما انا فیہ۔	اہل و عیال کی وجہ سے اضطراب و خوف کی ایک خلش جس سے تم دوچار ہو ان تمام کیفیات پر بھاری ہے کہ جن سے میں گزر رہا ہوں۔

حامیانِ تجرد کے دلائل

یہ پہلو تو ترغیب نکاح کا تھا۔ اب ترہیب و احتراز کے دلائل ملاحظہ ہوں۔ حدیث میں ہے:

یاتی علی الناس زمان یکون بلاء الرجل علی ید زوجتہ وابویہ وولدیہ یعیرونہ بالفقر ویکلفونہ مالا یطیق فیدخل المداخل التی یذھب فیھا دینہ فیھلک	ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے جب ایک آدمی اپنی بیوی بچوں اور ماں باپ کے ہاتھوں ہلاکت میں پڑے گا۔ یہ سب اس کو مفلسی کا طعنہ دیں گے اور ایسے ایسے کاموں کی اس کو زحمت دیں گے جس کی اس میں قطعی استطاعت نہیں۔ پھر یہ مجبور ہو کر ایسے راستوں پر گامزن ہوگا۔ اور ایسا ویسا اختیار کرے گا کہ جن میں اس کے دین کی بربادی ہوگی۔

---

(۱) بیہقی و خطابی

ایک اور حدیث میں ہے:

قلۃ العیال احد الیسارین	اہل وعیال کی قلت دو آسانیوں میں کی ایک آسانی ہے
وکثرتھم احد الفقرین۔	اور کثرتِ دین و دنیا کے فقر و احتیاج میں کی ایک احتیاج ہے۔

ابو سلیمان الدرانی سے کسی نے پوچھا، نکاح کے معاملہ میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انھوں نے جو جواب دیا اس سے اس گروہ کے خیالات کی پوری پوری ترجمانی ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا:

الصبر عنھن خیر من الصبر	بیوی کے بغیر جو صبر برداشت ہے وہ اس صبر و برداشت
علیھن۔	سے کہیں بہتر ہے جو بیوی پاکر کیا جائے۔

انھیں کا ایک قول یہ ہے:

الوحید یحب من حلاوۃ العمل	ایک مجرد کو عمل کا جو لطف اور قلب کا جو فراغ حاصل ہے
وفراغ القلب مالا یجد المتاھل۔	وہ متاہل کو حاصل نہیں۔

کچھ حضرات نے ترکِ نکاح کی ایک دوسری ہی توجیہہ بیان کی ہے۔ بشر سے کسی نے کہا کہ لوگ آپ کے تجرد پر معترض ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اس طرح ترکِ سنت لازم آتا ہے۔ انھوں نے جواب میں کہا:

قولوا لھم ھو مشغول بالفرض	ان لوگوں سے کہہ دو کہ اس کے سامنے کچھ فرائض ہیں جن
عن السنۃ۔	کی بجا آوری میں وہ اس درجہ مشغول ہے کہ سنت کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں ملتی۔

ترغیب و ترہیب کے ان دو پہلوؤں کی وضاحت کے بعد اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کے فوائد و غوائل پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

حیاتیاتی نقطۂ نظر

فوائد پانچ ہیں: اولاد، شہوت، تدبیرِ منزل، کثرتِ عشیرۃ، اور حقوق و فرائض کی نگہداشت کے سلسلہ میں مجاہدۂ نفس۔

جہاں تک اولاد کا تعلق ہے یہ کہنا چاہیے کہ نکاح کے باب میں اسی کو اصل و اساس کی حیثیت حاصل ہے اور اس کے لیے نکاح کا انتظام شرائع نے پیش کیا ہے کیونکہ اس سے بقاءِ نوعِ انسانی کے اصول کی تائید ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے اس دنیا کی رونق اور چہل پہل قائم ہے۔ اگر نسلِ انسانی باقی ہے تو اس سے ربع مسکون کی تمدنی و روحانی اقدار کا وجود بھی ممکن ہے۔ اور اگر خدانخواستہ نوعِ انسانی ہی ختم ہو جاتی ہے تو مذہب اور اس کی اعلیٰ قدروں کے تحفظ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس میں شبہ نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بغیر رشتہ ازدواج کے توسل کے انسانوں کو پیدا کر دے سکتا تھا۔ مگر اس کی حکمت و قدرت نے یہ چاہا نہیں۔ اور یہ پسند نہیں فرمایا کہ اسباب و حسیات کے سلسلہ کو بے کار کر دیا جائے اس لیے اس نے انسانی تخلیق کے لیے مرد و عورت میں ایک خاص قسم کا عضوی ڈھانچہ تیار کیا۔ اور اسی ڈھانچہ کا تقاضا ہے کہ ان میں شہوت اور محبت جنسی ایسے میلانات پیدا کیے۔ اس میں یہ راز پنہاں ہے کہ یہی جذبات، یہی محبت اور جنسی کشش دونوں کو مجبور کرتی ہے کہ نوعِ انسانی کے تحفظ و بقاء کے لیے سرگرم سعی ہوں۔ اور اس غرض کی تکمیل کے لیے اپنی بہترین صلاحیتوں کو صرف کریں ورنہ کون ایسا تھا کہ بغیر کسی لطف اندوزی کے اور مادی و محسوس برومندی کے اتنی بڑی ذمہ داری مول لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام اسی طرح انسانوں سے لیا ہے جس طرح ایک ہوشیار شکاری شکار کو پھانسنے اور پکڑنے کے لیے جال میں دانے بکھیر دیتا ہے۔ اور جانور دانوں کی لالچ میں جال پر گرتا ہے اور پکڑ لیا جاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس اہم ذمہ داری کو انسان کے کندھوں پر ڈال دینے کی نیت سے یہ تدبیر اختیار کی کہ میاں بیوی میں محبت و شوق کا جال بچھایا۔ اور شہوت و کششِ جنسی کے دانے بکھیرے تاکہ یہ آپ سے آپ گرفتار ہو جائے اور بال بچوں کی زنجیر میں جکڑا جائے۔ بقائے نسل کا یہ اصول کس درجہ واضح ہے۔ اس کو جاننے کے لیے الفاظ و حروف کی سند درکار نہیں۔ خود انسانی جسم اور انسانی زندگی کا ایک ایک جز پکار پکار کر اس کی صراحت کر رہا ہے۔ یہ مرد و عورت کی تفریق کیوں ہے؟ دونوں کے عضوی ڈھانچے کیوں مختلف ہیں۔ رحم کیا ہے؟ یہ مستودع و مستقر کیا ہے جس میں جنین پرورش پاتا اور تکمیل و اتمام کی منزلیں طے کرتا ہے۔ پھر دونوں پر تقاضائے شہوت و محبت

کا استیلا کس غرض سے ہے۔ یہ تمام آلات و افعال اللہ تعالےٰ کے اس مقصد کی غمازی کر رہے ہیں کہ جس کے لیے ان سب تفریقات کو پیدا کیا گیا۔

اب جو شخص اس سے اعراض کرتا ہے وہ گویا اس مقصد کی مخالفت کرتا ہے جو اللہ تعالےٰ کا مقرر کردہ مقصد ہے۔ ان کی مثال اس شخص سے ہرگز مختلف نہیں کہ جس کو اس کے مالک نے زمین دی، آلاتِ کشت و زرعی بخشے، اور بیج دیا تاکہ وہ کھیتی باڑی کا فرض انجام دے، اور زمین کی روئیدگی و آبادکاری میں اضافہ کرے۔ مگر وہ ان رعایتوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھائے اور زمین کی آبادکاری کے سلسلہ میں کوئی کوشش نہ کرے۔ ظاہر ہے یہ شخص مجرم ہے۔ ٹھیک اسی طرح وہ شخص بھی مجرم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کے بڑھانے کے جملہ وسائل و ذرائع بخشے ہیں۔ مگر وہ ان کو کام میں نہیں لاتا۔ ممکن ہے اس اصول پر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ انسانی کو برقرار رکھنا عند اللہ ایک محبوب فعل ہے اور اسے ختم کر ڈالنا اللہ تعالےٰ کو پسند نہیں۔ مگر اس میں کیا بھید ہے کہ خود اللہ تعالےٰ نے موت و فنا کے سلسلہ کو پیدا کر رکھا ہے؟

کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ موت و حیات عند اللہ دونوں برابر ہیں۔ اور ان میں کا کوئی بھی محبوب و مکروہ نہیں۔

انسانی اور الٰہی ارادہ میں مماثلت نہیں

ہم کہیں گے کہ یہ ایسا کلمۂ حق ہے جس سے کہ باطل کی تائید مقصود ہے۔ اصل چیز یہ ہے کہ انسانی ارادہ اور الٰہی ارادہ میں کوئی وجہِ مماثلت نہیں۔ اللہ تعالےٰ کا ارادہ اور چیز ہے اور اس کا فعل اور چیز۔ ہمارے ارادہ و عمل میں تو توافق کا ہونا ضروری ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ کی ذاتِ گرامی کے لیے اس توافق کی حاجت نہیں۔ معاصی اس کے ہاں ناپسندیدہ نہیں۔ مگر مراد نہیں۔ کفر پہ اس کی ذات کبھی خوش نہیں ہوتی:

ولا یرضی لعبادہ الکفر — اور وہ اپنے بندوں کے لیے کفر پسند نہیں کرتا۔

مگر عام ارادہ و خلق میں اس کا یہی وجود روا ہے۔ یہی معاملہ موت و حیات کا ہے کہ زندگی

اس کو پسند ہے اور اس کا بھی وجود ہے۔ اور موت و ہلاکت اور فنا و عدم اس کے نزدیک ہرگز پسندیدہ نہیں۔ تب بھی اس کے ارادہ و مشیت سے ان کا تعلق قائم ہے۔ یہ مسئلہ حد درجہ نازک ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ وضاحت چاہتا ہے۔ مگر یہ مقام اس کے لیے موزوں نہیں کیونکہ اس کا حقیقی تعلق علم المکاشفہ سے ہے۔ اور ہم علم المعاد سے بحث کر رہے ہیں۔ اس لیے اسی اختصار پر اکتفا کیجیے۔ اور اس حقیقت پر یقین رکھیے کہ جو شخص اس اساس اور اصول کی حمایت کرتا ہے۔ اور نظام مناکحت کی مخالفت نہیں کرتا وہ تو حیات و بقا کے تقاضوں کی تائید کرتا ہے۔ اور جو انکار کرتا ہے۔ وہ گویا اس وجود، اور اس سلسلۂ حیات کی مخالفت کرتا ہے جو آدم تا ایں دم چلا آ رہا ہے۔

نکاح کے دوسرے فوائد

نکاح کا دوسرا فائدہ شیطان سے بچاؤ ہے۔ اس سے حفظِ بصر کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اور عفاف و پاکیزگی کی دولت سے انسان مالا مال ہوتا ہے۔ اس حقیقت کی طرف آں حضرتؐ نے اشارہ کیا ہے:

من نکح فقد حصن لضعف	جس نے ازدواجی زندگی اختیار کی اس نے اپنا آدھا دین
دینه فلیتق الله فی الشطر	بچا لیا۔ اب اسے چاہیے کہ باقی آدھے کے بارے میں اللہ
الآخر۔	سے ڈرے۔

نکاح کا تیسرا فائدہ یہ ہے کہ انسان اس کی وجہ سے تدبیر منزل کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو جاتا ہے۔ اور چھوٹے چھوٹے کاموں کی جانب اپنے کو فارغ و یکسو محسوس کرتا ہے۔ اور اس لائق ہو جاتا ہے کہ مہمات امور کے لیے وقت نکال سکے۔ ورنہ اسے خود گھر کی صفائی کا انتظام کرنا پڑے خود برتن مانجے، گھر کا کوڑا کرکٹ صاف کرے۔ اور ضروریات کا اہتمام کرے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ پڑھنے لکھنے اور عمل کے لیے اس کے پاس نہ تو کافی وقت بچے گا۔ اور نہ اتنی مقدرت اور توانائی ہی رہے گی کہ سب کاموں کو انجام دے سکے۔ حضرت سلیمان الدارانی نے جو یہ فرمایا کہ صالح اور نیک بخت بیوی دنیا کے قبیل سے نہیں ہے تو اس کا یہی مطلب تھا کہ اس کی وجہ سے اتنا وقت اور قوت و مقدرت بچ رہتی ہے کہ انسان دین کے بڑے بڑے تقاضوں کو پایۂ تکمیل تک

پہنچا سکتا ہے۔ اس مفہوم کو آں حضرتؐ نے ایک حدیث میں یوں فرمایا ہے:

یتخذ احدکم قلبا شاکرًا ولسانًا	تم میں کے ہر ایک کو چاہیے کہ قلب ایسا پائے جو
ذاکرًا وزوجة مومنةً صامحة	شکر گزار ہو، اور زبان ایسی کہ اس کی یاد میں لذت
تعینه علیٰ اٰخرتہ۔	محسوس کرے۔ اور بیوی وہ نیک اور صالح جو آخرت
	کے سلسلہ میں معین و مددگار ہو۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ نکاح سے مختلف عشائر و قبائل سے تعلقات استوار ہوتے ہیں اور انسان کی قوت و حشمت میں اضافہ ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ زیادہ اہم ہے اور وہ یہ ہے کہ جب انسان تاہل اور بال بچوں کی زندگی بسر کرے گا تو لامحالہ اس کو ان سے شکایتیں بھی پیدا ہوں گی۔ ان سے اذیتیں بھی پہنچیں گی، اور ان کے لیے جو اکل حلال کا سامان کیا جائے گا اس کے حصول کے لیے دشواریاں بھی پیش آئیں گی۔ اب فرض کیجیے یہ شخص شکایتوں اور اذیتوں کے مقابلہ میں تحمل و برداشت سے کام لیتا ہے اور ان کی تادیب و اصلاح کی فکر میں برابر لگا رہتا ہے۔ ان کی تربیت اخلاقی کے فریضہ کو باحسن وجہ پورا کرتا ہے اور گھبراتا نہیں۔ مزید برآں ان سب کا حلال سے پیٹ بھرتا ہے۔ اور حرام کی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتا، تو ان اعمال جلیلہ کی فضیلت سے کون انکار کر سکتا ہے؟ یہی وہ بات ہے جس کی طرف آں حضرتؐ نے اشارہ فرمایا:

یوم من والٍ عادل افضل من	والی عادل کا ایک دن عابد و زاہد کے ستر سال پر بھاری
عبادة سبعین سنة۔ ثم قال	ہے پھر فرمایا تم میں کا ہر ایک، ایک طرح کا والی ہے
الا کلکم راعٍ وکلکم مسئولٌ	اور تم میں کے ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے
عن رعیتہ۔	میں پوچھا جائے گا۔

---

(۱) طبرانی و بیہقی

وجہ فضیلت ظاہر ہے۔ یہ متاہل و عیال دار ایسا شخص ہے جس نے اپنی اصلاح بھی کی اور غیر کی اصلاح و تزکیہ کے درپے بھی ہوا۔ پھر اس نے ہر اصلاح کی راہ میں مشکلات کا سامنا بھی کیا۔ مانا اس کو اگرچہ تکلیفیں پہنچیں مگر اس نے ان سب کو بخندہ پیشانی گوارا کیا۔ بخلاف ایسے شخص کے کہ جو ان جھمیلوں سے یکسر آزاد رہا۔ جس نے دنیاداری کے خارزار میں قدم نہیں دھرا۔ اور لطفِ اذیت سے آشنا نہیں ہوا۔ یہ دونوں کسی طور سے بھی اجر و ثواب کے لحاظ سے برابر نہیں ہو سکتے۔ اسی نکتۂ دلنواز کو بشر نے محسوس کیا اور کہا:

فضل علی احمد بثلاث احدها انه یطلب الحلال لنفسه ولغیره

امام احمد بن حنبل کو مجھ پہ تین وجوہ سے فضیلت حاصل ہے۔ جن میں ایک یہ ہے کہ وہ اپنے لیے ہی نہیں اپنے بال بچوں کے لیے بھی حلال کی روزی تلاش کرتا ہے۔

اور اسی حقیقت کو عبداللہ بن المبارک کی چشم معرفت نے دیکھا۔ یہ ایک غزوہ میں شریک تھے۔ اپنے ساتھیوں سے فرمایا جانتے ہو۔ جہاد سے بھی بہتر کونسا عمل ہے۔ کہنے لگے جی نہیں۔ فرمایا:

رجل متعفف ذو عائلة قام من اللیل فنظر الی صبیانه نیاما متکشفین فسترهم وغطاهم بثوبه فعمله افضل مما نحن فیه۔

ایک ایسا پاک باز جو عیال دار ہو۔ رات کو بیدار ہو۔ اور دیکھے کہ اس کے ننھے ننھے بچوں پر سے چادر یا لحاف سرک گیا ہے۔ یہ آگے بڑھے اور اپنی چادر سے ان کو ڈھانپ دے۔ تو اس کا یہ فعل ہمارے اس مشغلہ سے بہتر ہے۔

فوائد سے کون بہرہ مند ہو سکتا ہے

ان تصریحات سے اس غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے کہ ہر ہر شخص ان فوائد سے دامنِ عمل بھر سکتا ہے۔ نہیں ان سے صرف دو ہی قسم کے حضرات کو نفع پہنچ سکتا ہے۔ یا تو ایسے شخص کو جو مجاہدۂ ریاضت کی ابتدائی منازل میں ہے۔ اور تزئینِ اخلاق کا طالب ہے۔ یہ جب بال بچوں میں الجھے گا اور ان کے حقوق و فرائض کا اچھی طرح خیال رکھے گا تو بلاشبہ اس سے اس کی نفسی و اخلاقی حالت میں

ترقی ہو گی۔ اور یہ اپنے میں ایک طرح کے تغیر کو محسوس کرے گا۔ یا پھر ایسا شخص ان فوائد سے لطف اندوز ہو سکتا ہے جس کی روحانی و عقلی سطح زیادہ مرتفع نہیں۔ جسے نہ تو سیر باطن کے مرحلے درپیش ہیں نہ فکر کی پرواز و حرکت کا سامنا ہے۔ اور نہ اس کا قلب ایسا ہے کہ اس کو غوامض و حقائق سے کوئی دلچسپی ہو۔ اس کا مشغلہ زیادہ تر جوارح اور اعمال بدنی تک محدود ہے۔ اور نماز، روزہ یا حج و زکوٰۃ سے آگے اس کا گذر نہیں۔ ایسا شخص جب ان نیکیوں کے ساتھ ساتھ کسب حلال اور تربیت و اصلاح کے فرائض کو بھی شامل کرے گا۔ اور بال بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمہ داریوں کو بھی قبول کرے گا تو اس کے محامد و فضائل کے کیا کہنے۔ مگر یہ ایسے شخص کی برابری کیا کر سکتا ہے جو بالطبع نیک ہے اور خلقی و فطری طور سے پاک باز ہے۔ یا اس نے مجاہدہ و ریاضت سے اپنے نفس کو صیقل کر لیا ہے اور اس کے پہلو بہ پہلو سیر باطن میں مصروف ہے۔ اور اس کا قلب و فکر علوم و مکاشفات کی حیرت زائیوں کا شکار ہے۔ یہ شخص اگر شادی کرے گا تو اپنے اس لطف کو کھو دے گا۔ اور اخلاق و تربیت کے فوائد جو پہلے اس کو حاصل ہیں۔ ان پر کوئی اضافہ نہیں کر سکے گا۔ لہٰذا اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ علم و ادراک کے دائروں کو وسعت دیتا رہے کہ یہ مجرد عمل و سعی پر اس لحاظ سے فضیلت رکھتا ہے کہ یہ علم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک گراں قدر عمل بھی ہے۔

غوائل اور مفاسد کا خطرہ

یہاں تک تو نکاح کے فوائد کی بحث تھی۔ اب غوائل اور مفاسد کی تفصیل پر غور کیجیے۔ پہلا مفسدہ اور خائکہ اکل حلال کی دشواریوں کا ہے۔ ایک متاہل اور شادی شدہ شخص کا تعلق چونکہ اپنے علاوہ بیوی اور بچوں کی تربیت اور نگرانی سے بھی ہے اس لیے مجبور ہے کہ طلب معاش کے دائروں کو وسیع کرے اور اتنا بہر حال کمائے کہ جو ان کی جملہ ضروریات کے لیے کافی ہو۔ یہ زمانہ کام کا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ کوئی شخص حرام سے تعرض کیے بغیر دولت و ثروت کے وسائل پر قابض ہو سکے۔ اس لیے اسے چار و ناچار حرام کی ان کوششوں میں شریک ہونا پڑے گا۔ اور بال بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کی ضروریات پورا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو توڑنا پڑے گا۔ بخلاف ایک مجرد کے کہ اس کا دائرۂ طلب و

جستجو چونکہ محدود ہے۔ اس کی خواہشات گنی چنی ہیں۔ لہٰذا اس کے لیے ممکن ہے کہ عفت و پاکبازی کے معیاروں کو قائم رکھ سکے۔

اس آفت اور خطرۂ ہلاکت سے وہی شخص محفوظ رہ سکتا ہے جس نے باپ دادا سے خاصی جائداد وراثت میں پائی ہو۔ یا اسے کوئی فن جیسے شکار، یا جنگل سے لکڑیاں کاٹ لینا وغیرہ آتا ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سلاطین اور امراء سے اس کو سابقہ نہ پڑا ہو۔ دوسرا کوئی شخص آسانی سے اکل حلال کی نعمت سے بہرہ مند نہیں ہو سکتا۔ لیکن ان صورتوں میں بھی حلال کی روزی اس وقت میسر ہوتی ہے۔ جب حرص و آز کا دامن سمٹا رہے اور انسان قانع ہو۔ طماع اور حریص نہ ہو۔ اس بنا پر ابن سالم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ نکاح سے متعلق آپ کی کیا رائے ہے تو آپ نے فرمایا:

هذا لمن ادركه شبق غالب	نکاح اس کے لیے روا ہے جو شدید جنسی خواہش رکھتا
فان ملك نفسه فتركه	ہو۔ لیکن اگر کوئی صبر و برداشت پر قادر ہے تو نکاح
اولیٰ۔	سے باز رہنا ہی اولیٰ ہے۔

نکاح میں دوسرا خطرہ تربیت و اصلاح کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہونا ہے۔ یعنے ایک شخص اگر تنہا اور مجرد ہے تو صرف اپنے ہی احوال اور محاسبۂ نفس سے دوچار ہے۔ اور صرف اسی حد تک عند اللہ مکلف ہے کہ اپنی اصلاح کرے۔ اور اپنی بصیرت اور روح کو پاکیزہ رکھے جو نسبتاً آسان ہے۔ لیکن اگر بال بچوں کی علت پالتا ہے تو اس کو اپنی اصلاح کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاح و تربیت کے فرائض کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ اور یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کہیں جن لوگوں کی رہنمائی اور دیکھ بھال اس کے ذمہ ہے وہ تو بہک نہیں رہے ہیں۔ اور ان کے پائے عمل میں تو لغزش نہیں پیدا ہوئی ہے۔ حدیث میں ہے:

كفىٰ بالمرء اثمًا ان يضيع	ایک شخص کے گناہ گار ہونے کے لیے یہی کیا کم ہے کہ
من يعول	جن کی کفالت اس کے ذمہ تھی اس نے انھیں کو کھو دیا۔

قرآن حکیم نے تربیت و اصلاح کی ذمہ داریوں کو ان الفاظ میں واضح فرمایا:

قُوا انفسکم و اھلیکم نارا (التحریم) اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

علاوہ ازیں نکاح میں ضرر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اپنی اصلاح تو کجا بڑے بڑوں کو سلاطین و امراء کے در و دولت پر حاضری دینا پڑتی ہے۔ اور ان کی خوشامد کرنا پڑتی ہے۔ چنانچہ سفیان بن عیینہ سے متعلق مشہور ہے کہ ایک مرتبہ باوجود جلالتِ قدر اور تقوے کے ان کو بھی سلطان کے دروازہ جود و سخا پر دستک دینا پڑی۔ کسی نے پوچھ لیا حضرت آپ یہاں کہاں۔ فرمایا:

وھل رایت ذا عیال افلح ہیں کس شمار میں ہوں۔ کبھی کسی متاہل اور عیال دار کو دیکھا ہے کہ ان منزلوں سے سرخروئی اور کامیابی کے ساتھ گذر جائے۔

نکاح اور تاہل سے یہ جو ضرر پیدا ہوتا ہے کہ انسان کو طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے ناقابلِ انکار ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کوئی شخص آزمائش کی اس بھٹی میں پڑنے کی وجہ سے اپنے کو لغزش و معصیت کے ارتکاب سے محفوظ ہی نہیں رکھ سکتا۔ ایک ایسا شخص جو عقل مند ہے اور بال بچوں سے حکیمانہ برتاؤ کرنا چاہتا ہے یقیناً ان آزمائشوں سے کامیابی و کامرانی کے ساتھ گزر سکتا ہے۔ اگر ان عورتوں کی عادات کا اچھی طرح علم ہے۔ اگر وہ ان کے مطالبات اور زبان درازیوں پر صبر کر سکتا ہے۔ اگر اس کے لیے ان کی ہر ہر خواہش کے سامنے جھکنا ضروری نہیں۔ اور وہ اس لائق ہے کہ ان کے حقوق کو پوری طرح ادا کر سکے۔ ان کی کمزوریوں کا مداوا کر سکے اور ان کی اخلاقی عادات کو سنوار سکے تو بلاشبہ نکاح اور تاہل اس کے لیے بابرکت ثابت ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ بات عوام کے بارے میں تو نہیں کہی جا سکتی ہے کیونکہ ان پر کم عقلی، بے وقوفی، اور غصہ و غضب کا بہرحال تسلط ہوتا ہے اور یہ نہایت آسانی سے انصاف و عدل سے محبت رکھنے کے باوجود بے انصافی اور ظلم و جور کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لہذا اس امکان کے مان لینے کے بعد بھی کہ کچھ لوگ نکاح و تاہل کے مفاسد و غوائل سے اپنے کو محفوظ رکھ سکتے ہیں مجموعی اور عمومی طور پر اس کی مضرتوں سے اپنے کو بچائے رکھنا آسان نہیں۔ نکاح کے غوائل و آفات میں تیسرا اور سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کے

ساتھ انسان کا ذکر و محبت اور تعلق و اتصال کا جو کرشمہ ہے کمزور ہو جاتا ہے۔ اور روحانی ارتقا کے سلسلے میں اچھی خاصی رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے۔ کیونکہ جس نسبت سے یہ تدبیر معاش کی الجھنوں کی طرف متوجہ ہو گا، بال بچوں کی سہولت و آرائش کا خیال رکھے گا اور ان کے لیے عمدہ و اعلیٰ معیارِ زندگی قائم رکھنے کے درپے ہو گا، اسی نسبت سے مال سے محبت بڑھے گی اور جمع کرنے اور دولت سمیٹنے کا جنون روز افزوں ترقی کرے گا۔ جس کا فطری اور لازمی نتیجہ یہ ہو گا کہ دنیا کی محبت و جذب، خدا کی محبت و جذب پر غالب آ جائے گی۔ اور یہ کوشش اور مساعی اس کے پائے ارتقاء کی زنجیریں بن جائے گی۔ اور یہ تیز رفتاری اور یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف نہیں بڑھ پائے گا۔ ہم نہیں کہتے کہ اس طرح کی کوششوں سے یہ ضرور کسی محظور کا مرتکب ہو کر رہے گا لیکن اتنا تو بہر حال تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ اس کی حرص و آز، کاؤ زوریاں صرف مباح اور جائز پر جا کر رک نہیں جائیں گی بلکہ تنعم و اغراق اور مبالغہ و غلو کی آخری حدود تک پہنچ کر رہیں گی۔

اور اگر یہ شخص فتنۂ حرام سے بچ بھی جائے اور دولت و ثروت جمع کرنے کی حرص اس پر سوار نہ ہو، جب بھی بیوی سے محبت تو بڑھ جائے گی۔ اس کو خوش رکھنے اور خود خوش رہنے کے مواقع تو پیدا ہوں گے۔ اور موانست یا بوس و کنار اور لطف اندوزی کی رنگا رنگ صورتیں تو موجب صد کشش ہوں گی۔ یعنے ایسی ایسی دلچسپیاں تو بہر حال ابھریں گی جو قلب و ذہن کے تمام گوشوں پر چھا جائیں اور دل کے کسی خانے کو بھی اس لائق نہ رہنے دیں کہ آخرت کے بارے میں غور و فکر ہو سکے۔ اور اللہ کی محبت کے لیے ذکر و اشتغال کے اعلیٰ وظائف کو جاری رکھا جائے۔ ان حالات میں اس کی دن رات یہی خواہش رہے گی کہ کوئی موقع ملے اور تسکینِ نفس کا سامان مہیا کیا جائے۔ نفس و خواہشات کی انھیں مجبوریوں کی بنا پر ابراہیم ادہم رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر طنز کیا ہے:

من تعود افخاذ النساء لم یجیء منہ شیء	جو شخص عورتوں کی رانوں پر ریجھا، اور کچھ اسی لطف میں پڑ کر رہ گیا۔ اس سے روح و قلب کی ترقی کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟

فوائد اور نقصانات کا تجزیہ

یہ ہے نکاح کے فوائد و غوائل کی پوری پوری تفصیل۔ اس سے معلوم ہوگا کہ یہ بہت مشکل ہے کہ کسی ایک شخص کے متعلق ہم علی الاطلاق اس کو مفید یا مہلک قرار دے سکیں۔ اس لیے کہ ہر شخص کی حالت مختلف ہے۔ اور ہر شخص کی استعداد اور صلاحیتیں جدا جدا ہیں۔ ہاں یہ البتہ ممکن ہے کہ ان فوائد اور مضرتوں کو بطور اصول اور فیصلہ کن عنصر کے تسلیم کر لیا جائے اور پھر یہ دیکھا جائے کہ جو شخص تاہل و شادی کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا چاہتا ہے وہ کس حد تک ان فوائد سے بہرہ مند ہو سکتا ہے اور کس حد تک اس کی مضرتوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اگر فوائد کا پلڑا بھاری ہے اور مضرات و غوائل کے اندیشے کم ہوں تو تاہل کی زندگی اختیار کر لینے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ بعض حالات میں افضل و اولیٰ ہے۔ لیکن اگر مضرتوں کا غلبہ ہو اور فوائد کے سامنے کی امید کم ہو تب پرہیز اولیٰ ہے۔ مگر یہ چیز ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے۔ دوسروں کے طے کرنے کی نہیں۔ مثلاً اگر ایک شخص جوان ہے اور تسکین جذبات کا خواہاں ہے اور چاہتا یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس کا غلط استعمال کسی صورت سے نہ ہونے پائے۔ مزید برآں حرام حلال کی طرف سے بھی مطمئن ہے اور برتاؤ اور معاملہ میں بھی اخلاقِ حسنہ کے معیاروں کا خیال رکھتا ہے تو اس کے لیے نکاح کے افضل و بابرکت ہونے میں کیا شبہ ہے۔ لیکن اگر خطرات زیادہ ہیں۔ اور ایک شخص دیانتداری سے یہ سمجھتا ہے کہ اس جھمیلے میں پڑ کر یہ دینی ترقی نہیں کر سکے گا۔ تو اس حالت میں عزلت اور تجرد ہی اولیٰ ہے۔ نکاح کے یوں تو کئی فوائد اور مہالک ہیں، مگر بہت بڑا فائدہ تسکینِ جذبات اور حصولِ اولاد ہے۔ اور بہت بڑا مہلکہ کسبِ حرام کے امکانات اور تقرب و اتصال کے امکانات کی دوری ہے۔ اس لیے انھیں دو اصولوں کو موازنہ کے وقت سامنے رکھنا چاہیے۔ اور اس نکتہ کا شدت سے خیال رکھنا چاہیے کہ فائدہ سے مراد وہی فائدہ ہے جو واقعی و حقیقی ہو۔ موہوم اور فرضی نہ ہو۔ کیونکہ ایک شخص حصولِ اولاد کے لیے شادی کرنا چاہتا ہے جو موہوم ہے۔ تو دونوں طرح کے امکانات میں یہ بھی ممکن ہے کہ اولاد اس کی قسمت میں ہو۔ اور یہ بھی کہ اس نعمت سے محروم رہے۔

اس بنا پر اس چیز کی طرف سے اچھی طرح اطمینان حاصل کر لینا چاہیے کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ اولاد کی توقع پر حقیقی خسارہ مول لے رہا ہو۔

اس مرحلہ پر قدرتاً یہ سوال غور و فکر کی سطح پر ابھرے گا کہ اگر کوئی شخص نکاح کی ان تمام آفات سے محفوظ ہو۔ اور ان غوائل اور مہالک میں سے کوئی بھی اس کے ذہن و قلب کو مشوش کرنے والا نہ ہو تب کیا اس کے لیے نکاح و تاہل کی ذمہ داریوں کو قبول کرنا اولیٰ اور بہتر ہوگا۔ یا یہ کہ یہ اپنے لیے ذکر و فکر اور تجرد و یکسوئی کو پسند کرے۔ اور ان جھمیلوں میں مطلق نہ پڑے۔ ہم یہ کہیں گے کہ ہو سکے تو نکاح و تجرد دونوں کو جمع کرے اور دونوں کے فوائد و برکات سے متمتع ہو کیونکہ درحقیقت ان میں کوئی تضاد یا ان بن نہیں۔ نکاح و تاہل میں سب سے بڑا مفسدہ کسب حرام ہی کا تو ہے۔ یقیناً اس سے روح کی پاکیزگی متاثر ہوتی ہے اور سالک اللہ تعالیٰ سے دور ہو جاتا ہے۔ مگر کیا ضرورت ہے کہ ہر شخص جو شادی شدہ ہو، حلال کی روزی سے محروم ہی ہو۔

دوسری برائی یا سب سے بڑا مہلکہ یہ ہے کہ حصولِ معاش کا مسئلہ ایک متاہل اور عیال دار تمام اوقات پر بری طرح چھا جاتا ہے اور کوئی وقت اور لمحہ بھی اس کو نہیں چھوڑتا جس میں اخلاص و یکسوئی کے ساتھ یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کر سکے اور خلوت و نزدار کے لطائف سے دامن بھر سکے۔

اس امکان و خدشے کی اہمیت سے انکار نہیں مگر نیت و ہمت شرط ہے۔ کیا پوری رات عبادت و فکر کے لیے کافی نہیں۔ اور اگر شوق و طلب کے داعیے موجود ہوں تو کیا دن کے مختلف لمحوں اور فرصتوں سے بھی فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا۔

ایک مسئلہ کی وضاحت

اس سلسلہ میں ایک نہایت ہی ضروری سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر دونوں کیفیتوں کا جمع کرنا ہی افضل ہے تو حضرت عیسیٰؑ اس حقیقت سے کیوں محروم رہے حالانکہ وہ اللہ کے پیغمبر اور فرستادہ تھے۔ اور اگر تجلی و تجرد اولیٰ ہے۔ نکاح نہیں۔ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں تو نو بیویوں کو بیک وقت اپنے حرم میں رکھا؟ دو لفظوں میں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ دو مختلف مقام ہیں۔ آنحضرتؐ

کی ہمت عالی اور قدرت واستطاعت کی بلندی کا یہ عالم تھا کہ یہ شواغل اور رکاوٹیں، ان کے داعیات ذکر وفکر اور تقاضائے شوق وطلب میں کوئی وہن وضعف نہیں پیدا کر سکے۔ اور اس سے نہیں روک سکے کہ آپؐ تاہل وازدواج کے پہلو بہ پہلو عبادت وتجرد کے لطائف سے بھی مالا مال ہوں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ نو نو بیویوں کے باوجود جب آنحضرتؐ رات کو اٹھتے اور عبادت کے لیے کھڑے ہوتے تو پاؤں متورم ہو ہو جاتے۔ مگر شوق اور لطف وذوق کی کیفیتوں میں کمی نہ آتی۔

رہی یہ بات کہ حضرت عیسٰیؑ نے نکاح وتاہل سے کیوں گریز کیا۔ تو یہ اس لیے کہ مقام حزم و احتیاط کا یہی تقاضا تھا۔ یعنی ان کے حالات ایسے تھے کہ ان کا شادی نہ کرنا ہی اولیٰ اور بہتر تھا۔

اس باب میں یہ اصول یاد رکھنا ہے کہ جب ہم انھیں اللہ کا پیغمبر اور رسول مانتے ہیں اور یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ نکاح وتجرد کا مسئلہ سراسر حالات کے اختلاف کے ساتھ وابستہ ہے۔ اشخاص کے ساتھ نہیں۔ اور ان دونوں میں سے کسی سے متعلق بھی علی الاطلاق کچھ کہنا مشکل ہے۔ تو اس صورت میں ہمیں ان کے نکاح سے باز رہنے کی بہر حال ایسی ہی تاویل کرنا چاہیے جو برمحل ہو جس سے کہ ان کی بزرگی اور فضیلت سے متعلق کوئی بدگمانی نہ پائی جائے۔ اس لیے کہ بحیثیت مسلمان کے ہمارا یہی فرض ہے کہ ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کے احوال واعمال کے لیے اعلیٰ اور بہتر محمل تلاش کریں۔ اور یہ نہ سمجھیں کہ معاذ اللہ انھوں نے کوئی کام بھی ادنےٰ محرکات سے متاثر ہو کر کیا ہے یا کوئی قدم بھی اللہ کی رضا کے خلاف اٹھایا ہے۔

افکارِ غزالی

مصنفہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کے شاہکار "احیاء العلوم" کی تلخیص اور ان کے افکار پر سیر حاصل تبصرہ۔

قیمت ۸٫۵۰ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافت اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور